ختم نبوت کی تہذیبی اساس

پروفیسر محمد اکرم (لاہور)

ختمِ نبوت تاریخِ انسانی کا ایک تصور ہے جس پر امتِ مسلمہ کے امتیاز کی عمارت استوار ہے۔ زیادہ تر اس عقیدے پر دینی نطقۂ نگاہ سے روشنی ڈالی گئی تاہم علامہ اقبال نے عقیدۂ ختمِ نبوت کے دینی پہلو کے علاوہ تہذیبی پہلو کو نسبتاً زیادہ اجاگر کیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوئی کہ علامہ کے نزدیک ہر دین نبوت سے فیض یاب ہے اور ختمِ نبوت کے تصور کے بغیر بھی ادیان فعال و مقبول رہے ہیں۔ یقیناً اسلام بھی بطور دین نبوت سے فیض یاب ہے اور نبوت سے مربوط رہ کر قائم رہ سکتا ہے۔ دینی طور پر ختمِ نبوت کو بیان کرنا یا ماننا محض ایک عقیدے کی بات ہے جو فی نفسہٖ غیر مسلموں پر مؤثر نہیں ہو سکتی۔ مسلمان البتہ ختمِ نبوت پر اس لیے یقین رکھتا ہے کہ قرآن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ''خاتم النبیین'' قرار دیا۔ لہٰذا عقیدۂ ختمِ نبوت برحق ہے۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے لہٰذا اس کے عقائد کا فطرت کے قریب اور قابلِ فہم ہونا ناگزیر ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ عقیدۂ ختمِ نبوت کی وہ وضاحت پیش کی جائے جو ہر مسلم و غیر مسلم سلیم الفطرت ذہن کو متاثر کر سکے۔ چنانچہ علامہ اقبال عقیدۂ ختمِ نبوت کی توضیح میں دینی سے زیادہ تہذیبی نکات کو اہمیت دی۔

عقیدۂ ختمِ نبوت پر علامہ کے منفرد اندازِ نظر کو جانچتے ہوئے یاد رکھنا چاہیے کہ علامہ کے زمانی پس منظر میں مناقشے کی ایک صدی ہے جس میں مذہب سے عقیدے کی عقیدے سے عقل کی جذبے سے جدید کی قدیم سے جنگ جاری رہی۔ خصوصاً برصغیر میں ایک تہذیب دوسری تہذیب سے رد و قبول کی آویزش میں مبتلا رہی۔ لہٰذا تہذیبوں کی اس جنگ نے اقدار و افکار میں ایسا تغیر بپا کیا کہ کرداری استحکام کم و بیش ناپید ہو گیا۔ اس تزلزل کے باعث دین کی بابت بہت سے جائز و ناجائز سوالات پیدا ہوئے اور ان سوالات کے محکم و مبہم جوابات سامنے آئے بلکہ بقول اکبر الٰہ آبادی:

میری قرآن خوانی سے نہ ہوں یوں بدگماں حضرت
مجھے تفسیر بھی آتی ہے آپ اپنا مدعا کہیے

دین کی بابت اٹھنے والے ایسے ہی کج رو اعتراضات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اسلام چونکہ آئندہ زمانی تقاضوں سے ہم آہنگ نبوت کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتا لہٰذا اس نے اپنے تحفظ کے لیے عقیدۂ ختمِ نبوت اختیار کیا ہے۔ یہ بہت بڑا اعتراض تھا اگر اس کا جواب دیں

> ''جب سے اقبال کو قومیت کے جدید تصور کی تباہ کاریوں کا اندازہ ہوا تھا اور وہ اسلام کے عمرانی تصورات کی صداقت کے قائل ہوئے تھے۔ اس زمانے سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک وہ حضور رسالت مآب کی مرکزی حیثیت پر زور دیتے رہے۔ وہ ابھی ولایت ہی میں تھے کہ انھوں نے اس موضوع پر اپنا پہلا شعر (۱۹۰۴ء) کہا تھا:

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بِنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

(پروفیسر محمد عثمان ''اسرار و رموز پر ایک نظر'' اقبال اکادمی لاہور ۱۹۷۷ء، ص ۱۲۲، ۱۲۳)

گویا علامہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی آفاقیت کے پیشِ نظر رسالتِ محمدی کی ابدی ضمانت کے طور پر ختمِ نبوت کو امتِ مسلمہ کے لیے مرکزی نقطۂ اتحاد بنایا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے جب ان کا شجرہ نسب دریافت کیا گیا تو فیضِ رسالت کے پیشِ نظر انھوں نے اپنی علاقائی یا تہذیبی نسبت کو اہمیت دینے کی بجائے جواباً فرمایا: **''سلمان ابنِ اسلام ابنِ اسلام الیٰ آدم''**

یہ گویا صحابیِٔ رسول کی طرف سے آمدہ امت مسلمہ کو درس تھا کہ اپنی شناخت کا ذریعہ رنگ، نسل، وطن، تہذیب کو بنانے کی بجائے فقط اسلام کو اپنا امتیازی تعارف ٹھہراؤ۔ علامہ نے رسالتِ محمدی کے تہذیبی مضمرات کے ضمن میں اس تہذیبی نقطے کی دلپذیر وضاحت کر کے امتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی کا درس دیا۔

رسالتِ محمدی کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اس کے سیاسی و تہذیبی مضمرات کو نمایاں کرنے کا جو طریقہ علامہ نے اختیار کیا وہ اس دور کے زمانی اقتضاء کی پیداوار ہے۔ یورپ ان دنوں نیشنلزم کے سیلاب میں بہہ رہا تھا، مختلف اقوام اپنے لیے نقطۂ ہائے اتحاد کی جستجو میں تھیں۔ رنگ، نسل، تہذیب کے علاوہ سب سے بڑا نقطۂ اتحاد مغرب میں وطن قرار پایا۔ چنانچہ لازم تھا کہ دینی عقائد سے الگ مسلمان بھی اپنی تہذیبی شناخت کا کوئی نقطۂ منفرد مشتہر کریں۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر علامہ نے رسالت کو مسلمانوں کے لیے مرکزی نقطۂ اتحاد قرار دیتے ہوئے اس کی بناء پر ملت کی تشکیل، شناخت اور تحفظ پر زور دیا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اوّلاً علی گڑھ کے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے ''ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر'' کے عنوان سے ۱۹۱۰ء میں ایک خطبہ دیا۔ جس میں ملتِ مسلمہ کی امتیازی شناخت اور اس کے تحفظ پر مفصل روشنی ڈالی۔ اس خطبہ میں علامہ فرماتے ہیں:

> ''ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراکِ زبان ہے نہ اشتراکِ وطن۔ نہ اشتراکِ اغراضِ اقتصادی، بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی۔ اس لیے شریک ہیں کہ مظاہر کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے۔ اور جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکہ میں پہنچی ہیں وہ بھی ہم سب کے لیے یکساں ہیں۔ اسلام تمام مادی قیود سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور اس کی قومیت کا دارومدار ایک خاص تہذیبی تصور پر ہے۔ جس کی تجسیمی شکل وہ جماعتِ اشخاص ہے جس میں بڑھتے اور پھلتے رہنے کی قابلیت طبعاً موجود ہے۔'' (سید عبدالواحد معینی ''مقالاتِ اقبال'' ۱۹۶۳ء، ص ۱۲۰)

خطبے کے اس اقتباس سے صاف عیاں ہے کہ علامہ اقبال رسالت کو جماعت المسلمین کی شیرازہ بندقوت گردانتے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ علامہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ رسالت محض مختلف مسلم اقوام کو ملت میں ضم کر دینے کا ہی ذریعہ نہیں بلکہ مختلف تہذیبوں کے حامل ان اجزاء کو مقاصد میں یک جہت کرنے کا انوکھا کام بھی انجام دیتی ہے۔ رسالتِ محمدی پر ایمان کے باعث مسلمان نسل، رنگ، تہذیب سے ماوراء ہو کر ایک دوسرے کا درد محسوس کرتے ہیں۔ عقائد و عمل میں یکسانیت گویا رسالت سے آتی ہے لہٰذا رسالتِ محمدی پر غیر متزلزل یقین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا گویا مسلم

تہذیب کو ابدی تحفظ فراہم کرتا ہے۔اس کا اظہار علامہ اقبال نے اپنے انداز میں یوں کہا:

از رسالت ہم نوا گشتیم ما
ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما

ترجمہ: (رسالت کے باعث ہم ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوئے اور اسے دم سے ہم یکجان اور مقاصد میں ایک ہیں۔)

رسالت کی ان برکات سے فیض یاب تہذیب اپنی مخصوص تاریخ، روایات اور اقدار کی مالک ہے جو کہ اس تہذیب کی الگ شناخت برقرار رکھے ہوئے ہے۔علامہ کے نزدیک اگر ہم رسالت سے اپنا رشتہ منقطع متزلزل یا کمزور کر لیں تو ہماری حیثیت مسخ ہو رہے گی۔فرماتے ہیں:

دامنش از دست دادن مردن است
چوں گل از بادِ خزاں افسردن است

ترجمہ: (ان کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا گویا مر جانا ہے جیسے کہ پھول خزاں میں مرجھا جاتا ہے۔)

اس خدشے کے پیش نظر کہ رسالتِ محمدیہ سے مسلمانوں کا لگاؤ مختلف امتوں کے اپنے نبی سے روایتی لگاؤ کی طرح خیال نہ کیا جائے۔علامہ نے مفصل رسالتِ محمدی کی آفاقی، تہذیبی برکات کو نمایاں کیا۔علامہ نے قرار دیا کہ مسلمانوں کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔اس کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر محمد عثمان رقم طراز ہیں۔

''رسالتِ محمدیہ کا مقصود انسانوں کی آزادی، برادری اور برابری ہے لیکن یہ وابستگی محض جذباتی نوعیت کا لگاؤ (مذہبی قسم کی) اندھی عقیدت نہیں جو اکثر گروہوں میں اپنے دینی پیشوا کے لیے پائی جاتی ہے۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی دل بستگی، بصیرت اور حقیقت بینی پر مبنی ہے۔رسولِ کریم کا بنیادی پیغام......توحید......اگرچہ پہلے انبیاء کرام سے مختلف نہیں لیکن توحید کی اساس پر جس قسم کی سوسائٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیر کی، اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کہیں اور نہیں ملتی۔'' (پروفیسر محمد عثمان، ''اسرار و رموز پر ایک نظر'' اقبال اکادمی لاہور ۱۹۷۷ء، ص ۱۲۴، ۱۲۵)

گویا علامہ کے نزدیک رسالتِ محمدی مسلمانوں کے لیے تہذیبی بقا اور عام مسلمانوں کے لیے انسانی فلاح کا ذریعہ ہے۔یہی بات ہے کہ علامہ نے ختمِ نبوت پر حقیقی سخت مؤقف اختیار کیا اور واضح انداز میں لکھا کہ قادیانیت کو مسلمان کسی طور برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ یہ فتنہ ان کے اتحادِ ملّی کو پارہ پارہ کر سکتا ہے۔رسالتِ محمدی کو مسلمانوں کی تہذیبی بقا اور انسانیت کی فلاح قرار دینا اور اس کی مختلف حوالوں سے وضاحت کرنا علامہ کا کمال ہے۔اس ضمن میں ''رموز'' کے باب نمبر آٹھ کا عنوان ''در معنیٰ ایں کہ مقصودِ رسالت محمدیہ تشکیل و تاسیس حریت و مساوات و اخوتِ بنی نوع آدم است'' ملاحظہ کرنا چاہیے۔اس عنوان ہی سے ظاہر ہے کہ علامہ رسالتِ محمدی کو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ پوری انسانیت کے لیے مظہرِ فیض جانتے تھے۔جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کی طویل جدوجہد اور شبانہ روز محنت سے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جو انسان کی حریّت، اخوت اور مساوات کی نہایت زندہ اور پائندہ مثال ہے۔رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی بے پناہ عقیدت کا راز اس بات میں چھپا ہے کہ آپ کی رسالت کا مقصود کوئی نیا گروہ پیدا کرنا یا اپنے ملک یا قوم کی برتری کا سکہ بٹھانا نہ تھا بلکہ عملی طور پر یہ ثابت کرنا تھا کہ تمام انسان بحیثیت انسان آزاد ہیں۔

رسالت کی بابت علامہ کے تہذیبی دلائل کو دیکھنا ہو تو ردّ قادیانیت پر علامہ کے خیالات ملاحظہ کریں۔ ردّ قادیانیت پر علامہ کی تحریرات کی بنا زیادہ تر رسالت کے تہذیبی مضمرات پر ہے۔ قادیانیت اور مسلم امہ کے آئندہ تعلق پر محاکمہ کرتے ہوئے علامہ رقم طراز ہیں۔

> ''یہ ظاہر کہ اسلام، جو تمام جماعتوں کو ایک رسی میں پرونے کا دعویٰ رکھتا ہے۔ ایسی تحریک کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھ سکتا جو اس کی موجودہ وحدت کے لیے خطرہ ہو اور مستقبل میں انسانی سوسائٹی کے لیے مزید افتراق کا باعث بنے...... نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے ختمِ نبوت کے تمدنی پہلو پر کبھی غور نہیں کیا اور مغربیت کی ہوا نے انھیں حفظِ نفس کے جذبہ سے بھی عاری کر دیا......
>
> اگر کسی قوم کی وحدت خطرے میں ہو تو اس کے سوا چارۂ کار نہیں رہتا کہ وہ معاندانہ قوموں کے خلاف اپنی مدافعت کرے۔'' (لطیف احمد خان شیروانی، ''حرف اقبال'' علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۱۹۸۴ء، ص ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۷)

رسالت کے سیاسی و تہذیبی مضمرات علامہ کی دور بین نگاہوں پر کس طرح منکشف تھے، اس کا اندازہ ان کی نثری اور شعری کاوشوں سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ امت مسلمہ کو قوم کے مقابل ملت بنانے والی چیز رسالتِ محمدی ہی ہے۔ اگر توحید پرستی سے یہ کام ممکن ہوتا تو یہود و نصاریٰ بھی تشکیلِ ملت میں کامیاب رہتے۔ رسالت کے آفاقی نہ ہونے کے باعث یہود و نصاریٰ وطنیت، تہذیب، رنگ اور نسل کا شکار ہو گئے۔ دائرہ ہائے افتخار کے سمٹنے کے باعث توحید پرستی بھی خالص نہ رہ سکی۔ لہٰذا تثلیث جیسے مبہم عقائد وضع کیے گئے۔

رسالتِ محمدیہ کے سیاسی و تہذیبی مضمرات اجاگر کر کے علامہ نے امتِ مسلمہ کو خبردار کیا کہ رسالتِ محمدیہ کے تہذیبی پہلو سے صرف نظر وحدت ملیہ کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جس طرح رسالتِ محمدیہ پر از روئے عقیدۂ دینیہ ایمان لانے کی اشد ضرورت ہے بعینہٖ بطور ''ذریعۂ وحدتِ ملت'' رسالتِ محمدیہ پر پختہ ایمان رکھنے کی ضرورت بھی ہے۔ اسی نسبت سے ہر ایسے گروہ کی مدافعت بھی کرنا ہوگی، جو رسالتِ محمدی کے ذریعے قائم ہونے والی وحدت ملّت کو ضرر پہنچائے۔ یہ گویا مسلمانوں کو اپنے قومی تشخص کے تحفظ کا بے نظیر درس تھا جو علامہ نے اپنے منفرد انداز میں دیا۔ باوثوق کہا جا سکتا ہے کہ علامہ نے رسالت کے سیاسی و تہذیبی مضمرات کو اجاگر کر کے اہم ملّی خدمت سرانجام دی ہے۔